بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری
قدس اللہ سرّہ السّعید مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

نومبر 2015ء / ذوالحجہ، محرم 37-1436ھ
جلد نمبر 7، شمارہ نمبر 11 - قیمت: 20 روپے
سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

فہرست مضامین

- قرآن حکیم کو سمجھ کر نہ پڑھنے سے انقلابی روح فنا ہو جاتی ہے
- صحابہ کرامؓ؛ معیارِ ایمان وتقویٰ
- عیدِ قربان پر منفی رویوں کی روک تھام ضروری ہے
- شامی حکومت کا کڑا امتحان
- مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت
- ابتدائے آفرینش اور ماہِ محرم الحرام
- جماعتِ صحابہؓ کی عظمت
- پروپیگنڈے کی آڑ میں اسلام کے سیاسی نظام کو مسخ کیا جاتا ہے
- بچو! خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو
- خواتین کا دینی تعلیمات کی روشنی میں مقام اور ان کا سماجی کردار
- حضرت نانوتویؒ کی تواضع کا ایمان افروز واقعہ
- امیر الشہید حضرت سید احمد شہیدؒ
- بیادِ شیخ؛ حضرت رائے پوری رابعؒ
- نذرانۂ عقیدت؛ بحضور حضرت رائے پوری رابعؒ
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا کہ: ”ہم تو آج تک بزرگوں سے جو سنتے اور دیکھتے آئے ہیں، وہ یہ ہے کہ: انسان جب (بزرگوں کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق) ذکر (اللہ) شروع کرے تو تین چلّے میں عموماً اور خاص حالات میں کسی کو جلد اور کسی کو دیر میں آثارِ ذکر پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان آثار کی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔“

نیز فرمایا: ”آثارِ ذکر یعنی انسان کا دل خدا کے سوا غیر کی محبت سے چھوٹ جائے اور کچھ اللہ تعالیٰ سے اُنس پیدا ہو جائے۔ کیوں کہ انسان اُنس سے مشتق ہے۔“

(۱۷ر ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ ۱۲ر نومبر ۱۹۴۶ء۔ بروز: منگل۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 222۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام
”ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور“
الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ، کوڈ 0533
اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

قرآن حکیم کو سمجھ کر نہ پڑھنے سے انقلابی روح فنا ہو جاتی ہے

قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝

(کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات، آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا، یا زیادہ کر اُس پر، اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف۔) (2-4:73)

مثلاً بارہ گھنٹے کی رات ہو تو چھ گھنٹے یا چار گھنٹے یا آٹھ گھنٹے تک، رات کو کھڑے ہو کر نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کرو۔ (الف) اَوْ زِدْ عَلَیْهِ انقلاب عمومی کے لیے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کو تعلیم دے کر امامانِ انقلاب تیار کریں، جو آپؐ کے خلیفہ ہو سکیں۔ اور ان کے علاوہ انقلابی کارکن تیار کریں جو اسے آگے بڑھائیں۔ امامانِ انقلاب کی تیاری کے لیے خاص تعلیم کی ضرورت ہے جس کے لیے وقت بھی خاص چاہیے۔ اور عوام کی تعلیم کے لیے جداگانہ وقت درکار ہے۔ اس تقسیم اوقات کی اس لیے ضرورت پڑی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اپنی بعثتِ خصوصی (قومی) اور بعثتِ عمومی (بین الاقوامی) کے دونوں کام ایک ہی وقت میں کرنا چاہتے ہیں۔

(ب) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ تفسیر ابن کثیر میں ہے: ''یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ کیوں کہ اس طرح قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں مدد ملتی ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ ایسے ہی پڑھا کرتے تھے۔'' نیز امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''انصاف سے کام لو تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم نازل ہونے کا اصلی فائدہ تو اس وقت ہے کہ انسان اس کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے اور اس کی ہدایت کی باتوں سے سیدھی راہ چلنا سیکھے۔ نہ کہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ زبان سے ادا کرتا رہے (گو تلفظ بھی غنیمت سہی)۔ تو جو شخص قرآن حکیم کے معنی سمجھے بغیر اس کی تلاوت کرتا ہے وہ بھلا اسلام کس طرح سیکھ سکتا ہے؟ اور جو شخص اس کلام الٰہی کا مطلب نہیں سمجھتا وہ اس کے بے سمجھے پڑھنے سے بھلا کیا مزہ حاصل کر سکتا ہے؟'' (مقدمہ فتح الرحمٰن)

سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکیدوں کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگ گیا ہے۔ معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف شین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔ چناں چہ آج کروڑوں مسلمان اس پر جمے بیٹھے ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ انھیں ناظرہ پڑھا دیا جائے۔ باوجودیکہ ہر ایک مسلمان کو قرآن حکیم سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہے، مگر ہمارے غفلت مآب استادوں نے ہماری ذہنیت کو تباہ کر دیا ہے۔ آج کلامِ الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے، کسی میں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ایسی استعداد والی قوم یوں برباد ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے انقلابی روح فنا ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی جب تک اس کے ارکان' اس تحریک کے اصولوں سے بخوبی واقف ہو کر انھیں اپنا نہ لیں۔ اور پھر اپنا سب کچھ ان پر قربان نہ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تلخیص از قرآنی شعورِ انقلاب۔ ص:588 تا 593)

درسِ حدیث

تشریح: مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

صحابہ کرامؓ: معیارِ ایمان و تقویٰ

عن أبی سعید الخدریّ رضی اللّٰہ عنہٗ، قال: قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم: ''لا تسُبُّوا أصحابی، فلو أنّ أحدکم أنفق مثل أحد ذھباً ما بلغ مدّ أحدھم و لا نصیفہ.'' (رواہُ البخاری)

(حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: ''میرے صحابہ کو بُرا بھلا مت کہو۔ کیوں کہ تم میں سے کوئی جبلِ اُحد کے برابر بھی سونا صدقہ کر دے تو ان (صحابہ) کے ایک مُد (دوسیر) یا اس کے بھی نصف، یعنی ایک سیر کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔'')

قرآن و حدیث کی یہی وہ روشنیاں ہیں، جن کی بنا پر اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پورے طبقے کا طبقہ، عادل و متقن، بے لوث، پاک باطن، رذائل قلب اور حُبِ جاہ و مال سے پاک، آزمودۂ تقوائے باطن، راضی و مرضی عنداللہ، ہوا و ہوس سے منزہ اور محفوظ من اللہ ہے۔ اسی لیے انھیں بعد والوں کے ایمان اور عقائد کے لیے معیار اور کسوٹی بتایا گیا ہے۔ اس لیے ان کی توقیر و تعظیم واجب، ان کے حق میں بدگوئی حرام، ان سے حسن ظن اور ان پر اعتماد و ثقہ لازم اور ان سب سے رضا بلا تخصیص و استثنا، بوجہ رضائے الٰہی و رضائے نبویؐ کے ضروری ہے۔ ان پر جسارت و بے باکی یا انھیں اپنے جیسا سمجھ کر ان کی بدگوئی کرنا، یا ان پر زبانِ طعن و ملامت دراز کرنا یا ان پر نکتہ چینی کرنا ممنوعِ شرعی ٹھہرا۔ یہی اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے، جس پر جدید و قدیم علما، عرفا، فقہا، محدثین اور صوفیا توارث کے ساتھ جمے چلے آرہے ہیں اور اسی کو قرآن و حدیث کی رُو سے اپنا قطعی عقیدہ جانتے ہیں۔

صحابہؓ میں اختلافات ضرور ہوئے ہیں، جنھیں ''مشاجراتِ صحابہ'' کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن ان میں شرّ نہ تھا۔ خواہ وہ اختلافات دیانات سے متعلق تھے، جیسے مسائل فقہیہ اور احکامِ فرعیہ کا اختلاف۔ یا سیاسی اختلافات تھے، جیسے خلافت و امارت اور اس سے متعلقہ امور کا اختلاف۔ بہر دو صورت وہ شرّ سے خالی تھے اور ظاہر ہے کہ نفسِ اختلاف نہ مذموم ہے، نہ کوئی قابل اعتراض چیز ہے۔ صحابہ کرامؓ مال و جاہ کی محبت ایسے رذیلوں سے پاک کر دیے گئے تھے۔ ان کا تقوائے باطن معیاری اور مثالی ہو چکا تھا، جس کی شہادت حق تعالیٰ نے دی۔ اور اسی لیے اجماعی طور پر ساری اُمت نے سارے صحابہؓ کے متقن اور عدول ہونے پر اتفاق کیا۔ چناں چہ وہ سلطنتوں کے فاتح بھی ہوئے، تاج و تخت بھی ان کے ہاتھ آئے، لیکن ان کے قلبی زہد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حتیٰ کہ باہمی اختلاف سے بھی ان کی قناعت و توکل میں کوئی ادنیٰ خلل نہیں ہوا۔ نہ دیانت و امانت میں کمی آئی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت علیؓ اگر صفین میں کامیاب ہوئے تو انھوں نے محلات بنا کر کھڑے کر لیے ہوں۔ یا حضرت امیر معاویہؓ اگر شام میں کامیاب ہو گئے تو ان کی إنابت إلیٰ اللّٰہ (اللہ کی طرف رجوع) اور اطاعت و عبادت میں خلل آ گیا ہو۔ اس لیے بلاشبہ ان حضرات کا اختلاف شرّ سے خالی اور محض اجتہادی تھا، جس میں توجُّہ إلیٰ الدّنیا یا توجُّہ إلیٰ النفس (نفس اور دنیا کی طرف توجہ) کے بجائے صرف توجُّہ إلیٰ اللّٰہ (اللہ کی طرف توجہ) راسخ تھی اور محض للّٰہیت پر مبنی تھا۔

(تلخیص از مجموعہ رسائل حکیم الاسلام۔ ص:255 تا 258)

اداریہ

عیدِ قربان پر منفی رویوں کی روک تھام ضروری ہے

قربانی کی ابتدا، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کی جانب سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حلال جانور کو ذبح کرنے سے ہوئی۔ یہ سب سے پہلی قربانی تھی، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یوں کیا ہے: ''آپ ان اہل کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا واقعہ صحیح طور پر سنا دیجیے، جب اُن میں سے ہر ایک نے اللہ کے حضور کچھ نیاز پیش کی تو اُن میں سے ایک کی مقبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔'' (المائدہ:183) مفسرین کے مطابق ہابیل نے مینڈھے کی قربانی، جب کہ قابیل نے کھیت کی پیداوار میں سے کچھ غلے کے صدقے کو قربانی کے طور پر پیش کیا۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق آسمانی آگ نے ہابیل کے مینڈھے کو کھا لیا، جب کہ قابیل کی پیش کی گئی قربانی کو چھوڑ دیا۔ قربانی کا عبادت ہونا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہی مروّج ہے اور یہ ہر ملت میں تسلیم کی گئی ہے۔ البتہ اس کی خاص شان اور وقار حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعے سے ہوئی۔ اور آج تک ہم اس مبارک عمل کو ان کی اتباع میں قائم رکھے ہوئے ہیں۔

عید الاضحیٰ کا دن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی قربانی کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دیتا ہے۔ اور ان کی یاد ہمیں قربانی، ایثار، خلوص اور اپنی قیمتی ترین چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے پر آمادہ کیے دیتی ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اللہ کی خوشنودی اور اطاعت کو اپنا مقصدِ عظیم بناتے ہوئے، بغیر کسی ذاتی خواہش اور نمود و نمائش کے اپنی ذات کی قربانی پیش کی۔ ان کا یہ اُسوہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے کہ ہم قربانی کے اس عمل کو خواہش نفس اور کسی بھی طرح کے ذاتی مفاد سے آلودہ نہ ہونے دیں اور اپنے نفس کے تزکیے پر توجہ مرکوز رکھیں۔

قربانی کا عمل ہمارے اندر ایک ایسا جذبہ پیدا کرنے کا موجب ہے، جس میں انسان ہر طرح کے شخصی مفاد سے بالاتر ہو کر اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر ملک، قوم، انسانیت اور اجتماعیت کے لیے بے لوث کردار ادا کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جانور کو ذبح کرنے سے اسی خُو اور عادت کو پختہ کرنا مقصود ہے۔ اپنے قیمتی اندوختے سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی دراصل اپنے مال، مفاد، خواہش، رسومات اور تعصّبات کو ترک کرنے کی قربانی ہوتی ہے۔ ایسا جانور قربان کر کے دراصل مسلمان اس بات کا اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان، مال، خواہشات اور اپنی صلاحیتوں کو ضرورت پڑنے پر اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہے۔ کیوں کہ اللہ کے ہاں ہمارے جانوروں کے گوشت پوست کے بجائے ہمارا جذبۂ عمل، نیت اور ہدف ہی پیش ہوتا ہے کہ ہم اس عمل میں کتنے مخلص اور بے لوث ہیں۔ اس سارے عمل میں اہم ترین قربانی کا مقصد اور فلسفہ ہی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کے اہداف و مقاصد کا شعور رکھتے ہوئے اس عمل کو سرانجام دیا کریں۔

لیکن آج کل تو مسلمانوں نے اس عمل کی حرمت اور تقدس کو ایسا پامال کر رکھا ہے کہ بس رہے نام اللہ کا! ابھی گزشتہ گزرنے والی عیدِ قربان پر کچھ ایسے ہی منفی رویوں کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اس دفعہ لاہور کی مال منڈیوں میں کہیں ماڈل دوشیزاؤں کے ہاتھ میں قربانی کے جانور دے کر کیٹ واک (Cat Walk) کروائی گئی اور کسی جگہ قربانی کے جانوروں کا مقابلہ حسن منعقد کروا کر اپنے جذبۂ نمود و نمائش کی پیاس بجھائی گئی۔ گلی محلوں میں جانوروں کو چکر لگوا کر اپنی دولت مندی کے احساسِ تفاخر کا اظہار کیا گیا۔ قربانی کا عمل ہمارے ہاں ایک مذہبی فریضے سے ہٹ کر دکھاوے پر مبنی ایک سماجی مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ خدا کی رضا اور تزکیۂ نفس کے بجائے خاندان اور اہل محلّہ میں وقار قائم رکھنے کے لیے ہمارے گھر کے کھونٹے کے ساتھ بکرا یا بچھڑا بندھا ہونا ایک لازمی امر بن چکا ہے۔ خدا کی مخلوق پر ایک پائی خرچ نہ کرنے والے 20،20 لاکھ کے جانور خدا کے نام پر ذبح کر کے اپنے مسلمان ہونے پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ بیس لاکھ میں سے پچیس ہزار (-/25,000) کا ایک بکرا قربان کر کے باقی اُنیس لاکھ پچھتر ہزار (-/19,75,000) روپے کسی غریب خاندان، کسی کی تعلیم، بے سہارا بچیوں کے گھر آباد کرنے پر صَرف کریں یا کسی مقروض کی مشکل آسان کر دیں تو شاید ایسا مشورہ دینے والا اپنے ایمان اور جان کی سلامتی کو خطرے میں ڈال بیٹھے۔

ایسے منفی رویوں کی ایک شکل یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی خرید و فروخت میں نت نئے دھوکے اور فراڈ ہوتے رہتے ہیں۔ بس الامان والحفیظ! کھیرے کو دوندا اور دوندے کو چَوگا کر کے فروخت کیا جاتا ہے۔ دانت لگانے اور نکالنے کے لیے ماہر ڈینٹسٹ میدان میں اترے ہوتے ہیں۔ جانوروں کو مصنوعی طور پر موٹا تازہ اور صحت مند دکھانے کے لیے ادویات اور انجیکشنز کا استعمال کر کے قربانی کے جانوروں کو زہر آلود کیا جاتا ہے۔

قربانی کے جانور چوری ہونے کی خبر اور کہیں قربانی کے لیے اے ٹی ایم سے رقم نکلواتا ہوا آدمی لُٹ جاتا ہے۔ قصاب جانوروں کے بجائے زیادہ ریٹ لے کر مالکان کی 'قربانی' لینے کے درپے ہوتے ہیں۔ کہیں قربانی کر کے فریزر بھر لیے جاتے ہیں اور غریبوں کے اس حق پر کئی ماہ تک تکہ و کباب، نہاری اور حلیم کا شوق پورا کیا جاتا ہے اور قربانی کا گوشت صرف آمنے سامنے والے گھر ایک دوسرے کو بھجواتے ہیں اور غریبوں کو نظرانداز کر کے خاندان کے ہم پلہ لوگ ہی آپس میں قربانی کے گوشت کی دعوتیں اڑاتے ہوئے بھوک سے خودکشیاں کرنے والے خاندانوں کا ''نوحہ'' پڑھتے ہیں۔ قربانی جیسے مقدس فریضے کی ادائیگی کے بعد ہمارے کوچہ و بازار سے تعفن و بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قربانی، سماجی اور قومی ذمہ داری کو قبول کرنے اور اُسے احسن طریقے سے سرانجام دینے کی تربیت کا نام ہے۔ مگر ایک ہم ہیں کہ ہم اس کی روح، فلسفے، مقصد اور نتائج کو نظرانداز کرتے ہوئے محض ایک رسم ادا کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قربانی کے اس فریضے کو اس کے تمام تر تقاضوں کے ساتھ سرانجام دیا جائے، تب ہی ہم اللہ کی رضا اور خوشنودی کے مستحق ٹھہریں گے۔ ورنہ اس پاکیزہ عمل کی بے حرمتی و تذلیل کی سزا بھی اتنی ہی سخت ہے۔ اللہ اس سے بچائے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

شامی حکومت کا کڑا امتحان

ملک شام کا خطہ، کرۂ ارض کے ایسے مرکز پر واقع ہے، جس سے عالمی سیاست کے رُخ کا تعین ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر دور میں عالمی طاقتیں بہر صورت یہاں اپنی بالادستی قائم رکھنے کی کوشش کرتی رہی ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب برطانیہ کی جگہ امریکا نے لی تو اس نے اقوامِ عالم کو بالعموم اور مشرقِ وسطیٰ کو بالخصوص اپنے مفادات کا مرکز بنایا۔ اس کے مقرر کردہ چوہدری کا کیمپ ''اسرائیل'' کے نام سے بحیرۂ روم کے مشرقی کنارے پر واقع ارضِ فلسطین کے مرکز میں معرضِ وجود میں لایا گیا۔ امریکا نے اپنے قائم کردہ اس کیمپ کے اِردگرد ایک باڑ لگائی، تاکہ کوئی اس کو گزند نہ پہنچا سکے۔ سرزمین شام کے شمال میں ترکی، جنوب میں اُردن، مشرق میں عراق اور مغرب میں لبنان سے ملحقہ اسرائیل واقع ہے۔ شام کا کل رقبہ ایک لاکھ پچاسی ہزار ایک سو اَسّی (1,85,180) مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔

1957ء میں ترکی اور عراق ''معاہدۂ بغداد'' کے تحت امریکی اتحادی کے طور پر اُبھرے، جب کہ سوویت یونین اور شام ایک بلاک میں شامل ہوگئے۔ اسی سال 18/ اگست کو شامی حکومت نے اپنے ملک کے اہم اداروں کے سربراہان کو تبدیل کر دیا تو مغربی میڈیا نے یہ تأثر پھیلا دیا کہ اب شام میں سوشلسٹوں کا اثر و نفوذ پھیلنا شروع ہوگیا ہے۔ لہٰذا ہمسایہ ممالک یعنی عراق، اُردن اور لبنان بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ اس لیے مغربی دنیا کو چاہیے کہ وہ فوجی طاقت اور عربوں کی مدد سے شام کو روسی اثرات سے پاک کرنے کی حکمتِ عملی بنائیں۔ چناں چہ ترکی نے ایک قدم آگے بڑھ کر ترکی شامی سرحد کے ساتھ ساتھ اپنے فوجی دستے لگا دیے۔ اس وقت کے روسی صدر خروشیف نے دھمکی دی کہ اگر ترکی نے شام پر حملہ کیا تو روس ترکی پر میزائلوں سے حملہ کرے گا۔ اس زمانے میں روسی ساخت کے میزائل دنیا کی جدید ٹیکنالوجی کے طور پر جانے جا رہے تھے۔ اس کے جواب میں امریکا نے کہا: اگر روس نے ترکی پر حملہ کیا تو وہ سوویت یونین پر حملہ کردے گا۔ یہ عالمی بحران بالآخر اکتوبر میں اس وقت ختم ہوا جب ترکی نے اپنی سرحد سے امریکا کے دباؤ میں فوجی آپریشن ختم کر دیا۔ اسی وقت روسی صدر نے اپنے ملک میں ترکی کے سفارت خانے کا دورہ کر کے اچھے تعلقات کی طرف ایک قدم بڑھا دیا۔

حالیہ بحران کی ابتدا 2011ء میں ہوئی۔ امریکا اپنے مذموم مقاصد کے تحت مشرقِ وسطیٰ کے ایسے ممالک، جہاں امریکا مخالف خیالات پائے جاتے تھے، کو جمہوریت کے نام پر برباد کرنے کا مشن ''سبز بہار'' کے عنوان سے لے کر آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ عراق کو ایٹمی ہتھیاروں کے نام نہاد ڈھکوسلے پر تباہ کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج عراق اپنا سیاسی وجود کھو رہا ہے۔ وہ بیرونی جارحیت کے باعث ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ کرنل معمر قذافی کو طویل عرصہ اقتدار میں رہنے کی پاداش میں انتہائی بے رحمی کے ساتھ ملک میں گھس کر قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد لیبیا کے اندر انتشار پیدا کر کے اس کے وجود کو ختم کرنے کے اوچھے ہتھکنڈے اختیار کیے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد یہی گھناؤنا کھیل وہ شام میں کھیلنے جا رہا تھا، لیکن شامی حکومت کی عاقبت اندیشی کے باعث وہ ایسا کرنے میں ناکام ہوگیا۔ سیاسی محاذ پر عبرت ناک شکست کھانے کے نتیجے میں اپنی شیطنت کے تقاضے کے تحت امریکا نے نئی سازشوں کے جال بچھانے شروع کر دیے۔ اندرونِ ملک فسادی گروپ پیدا کر کے موجودہ حکومت کے خلاف بغاوت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ بیرونِ ملک ''داعش'' جیسا عفریت پیدا کر کے عراق اور شام کی سرزمینوں پر قبضہ کر کے نئی خلافتی ریاست تشکیل دینے کے گھناؤنے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ اندرونِ ملک گروپس پیدا کر کے سنی شیعہ تضادات کو اُبھار کر فسادات پیدا کر کے آبادی کا قتلِ عام کرایا گیا۔ اقوامِ متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق مارچ 2015ء تک 2,20,000 افراد مارے جا چکے ہیں۔ انھی گروپوں میں زہریلا مواد تقسیم کر کے شامی عوام کو قتل کر دیا گیا۔ ذمہ داری شامی حکومت پر ڈال کر پوری دنیا میں اس کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا، جسے بعد میں روس نے اپنے حساس اداروں کے ذریعے اعداد و شمار جمع کر کے امریکی مؤقف کو غلط ثابت کر دیا۔

ملکِ شام میں انارکی پیدا کر کے امریکا کے یورپی اتحادی' لاکھوں کی تعداد میں شامیوں کو یورپ منتقل کر چکے ہیں۔ شامی آبادی کو پناہ گزینوں میں تبدیل کرنا انتہائی خطرناک کھیل ہے۔ کیوں کہ ایک تو شامی آبادی اپنی اصل کو چھوڑنے پر مجبور کر دی گئی، دوسرا انھیں یورپ میں ایک عریاں ثقافت کی بھینٹ چڑھا کر آنے والی نسلوں کو تباہ کریں گے۔ یہ انتقالِ آبادی کسی انسانی مقصد کے تحت نہیں، کیوں کہ ان ملکوں کے نظریات میں سرے سے ایسی کوئی گنجائش ہی موجود نہیں، جس کے تقاضے کے تحت وہ آبادی کا یہ بوجھ برداشت کریں۔ یقیناً وہ ان مہاجرین کو آئندہ کسی لین دین کے طور پر بہ طورِ ہتھیار استعمال کریں گے۔ جب کبھی صورت حال مغربی بلاک کے ہاتھ سے نکلنے لگتی ہے فوراً اقوامِ متحدہ کے ادارے کو شامل کر کے گیم کا رُخ بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جہاں تک سلامتی کونسل کا تعلق ہے، اس کا ایک اہم اجلاس 2014ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر جنیوا میں منعقد ہوا۔ اجلاس نے جنیوا معاہدہ کو بنیاد بنا کر ایک وفد الاخضر ابراہیمی کی زیرِ قیادت شام روانہ کیا۔ وفد نے شامی حکومت سے مذاکرات کے دوران اس بات پر زور دیا کہ مسئلے کے حل کے لیے بشارالاسد کی حکومت فوری طور پر مستعفی ہو جائے۔ لہٰذا مذاکرات ناکام ہوگئے۔ عرب لیگ نے آج تک کوئی مسئلہ نہیں سلجھایا۔ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے بھی شام کے مسئلے کے حوالے سے الاخضر ابراہیمی کے مؤقف کی ہی توثیق کی ہے۔

شامی حکومت کی طرف سے روس کے صدر وِلادی میر پیوٹن کو ایک درخواست موصول ہوئی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ وہ شام اور اس کے گرد لگائی گئی اس آگ کو بجھانے میں ان کی مدد کرے۔ پیوٹن کے پاس سلامتی کونسل میں ویٹو پاور اور ایس سی او کی نمائندگی بھی ہے۔ جہاں تک روسی صدر کا تعلق ہے، وہ پہلے بھی امریکا کے مقابلے میں شام کے دفاع کا مسئلہ سلجھا چکے ہیں۔ ایس سی او کے فورم پر مسئلہ اٹھا کر شام کی اپوزیشن کے مطالبات اور جنیوا معاہدے کی روح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک حل پیش کیا ہے۔ اس کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ شام کا موجودہ قضیہ اپنے حل کی طرف بڑھ جائے گا۔ اسی بنیاد پر روس نے اپنی عسکری قوت کو شام میں داخل کیا ہے۔ اس سے امریکی بلاک میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔

مجالس : افاداتِ علم و حکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی استفادہ نشست ہوتی ہے۔ جنوری 2015ء کے شمارے سے ان افادات کو شائع کر کے ہم مجلّہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس 3/1۔12/ستمبر 2014ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

سوال: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی معیت میں آپ نے بہت سے اسفار کیے ہیں۔ کسی یادگار اور اہم سفر کے بارے میں بتلایئے؟

حضرت اقدس: یوں تو حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی معیت میں بہت سے اسفار ہوئے اور ہر سفر کسی نہ کسی نئی چیز کے سیکھنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنا۔ لیکن سب سے پہلا طویل ترین سفر حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ اور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی معیت میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کا سفر تھا۔ یہ سفر غالباً 15/نومبر 1987ء کو شروع ہوا اور وسط فروری 1988ء تک قریباً تین ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی معیت میں دہلی، سہارن پور، رائے پور، میرٹھ، مظفر نگر، کاندھلہ اور رائے پور کے گرد و نواح میں واقع سینکڑوں قصبوں میں جانا ہوا۔

لاہور سے سفر کا آغاز ہوا۔ اس موقع پر حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ نے دوستوں کے سامنے اس سفر کی اہمیت واضح کی اور چند نصائح کیں۔ جن میں ایک بات جو اَب تک ذہن میں محفوظ ہے، وہ یہ کہ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ: ''سچے نظریے پر جماؤ اور صبر و استقامت کی اصل اہمیت ہے۔ خانقاہ کا اصل کام دین حق کے سچے پروگرام پر استقامت کی تربیت دینا ہے۔ گرد و پیش کے ماحول پر تنقید تحقیق حق کے لیے ہونی چاہیے، نہ کہ کسی کی تنقیص و توہین کے لیے ہو۔ اپنی اصلاح کی فکر ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے۔ اسی سے کامیابی ملتی ہے۔'' اس کے بعد حضرتؒ نے اس سفر کے آداب اور خانقاہ کی عظمت و اہمیت واضح کی۔

جب دہلی پہنچنا ہوا تو وہاں کے بڑے بڑے اکابر علما، حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ کی زیارت اور ملاقات کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ ہمیں بھی ان کی زیارت ہوئی۔ ان سے حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی گفتگو سننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس سے اکابر کے درمیان گفتگو کے درست انداز کو سمجھنے کا موقع ملا۔ ایک ہفتہ دہلی قیام رہا۔ اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ سہارن پور میں بہٹ ہاؤس میں قیام رہا۔ یہاں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے مہتمم، ناظم اعلیٰ، شیوخ الحدیث بھی وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے۔ جن سے حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ تبادلہ افکار کرتے رہے۔ علم و حکمت کے بہت سے پہلو واضح ہوئے۔ دینی تفقہ اور بصیرت کے جامع کردار کا علم حاصل ہوا۔ دسمبر کی پہلی تاریخوں میں رائے پور خانقاہ میں حضرتؒ تشریف لے گئے۔ یہاں بھی واردین و حاضرین کا سلسلہ جاری رہا۔ خانقاہ میں قیام کے دوران حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے کمرے میں ہی ہمارا قیام رہا۔ حضرت مولانا منظور احسن دہلویؒ مہتمم جامعہ ملیہ ساہیوال بھی حضرتؒ کے کمرے میں ہی قیام فرما رہے۔ حضرتؒ کی معیت میں اور حضرتؒ کے کمرے میں مسلسل کئی ماہ قیام سے حضرتؒ کی زندگی کے بہت سے نئے پہلو سامنے آئے، جنھوں نے کردار کی پختگی، خدمت کے جذبے کے اعلیٰ نقوش اور ہمدردی اور خیر خواہی کے بہت سے پہلو واضح کیے۔

حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کا معمول تھا کہ وہ حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ کے حکم اور متوسلین کی درخواست پر روزانہ فجر کی نماز کے بعد مختلف قصبوں اور گاؤں کا سفر فرماتے اور ظہر کی نماز سے قبل تشریف لے آتے۔ اس لیے کہ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ آپؒ کے سوا کسی اور کے پیچھے نماز ادا نہ فرماتے۔ حضرتؒ کو نماز پڑھانے کے لیے حضرت رائے پوری رابعؒ ظہر تک ضرور واپس خانقاہ پہنچ جاتے۔ عام طور پر ان سفروں میں حضرت مولانا منظور احسن دہلویؒ اور مجھے معیت کا شرف حاصل ہوتا۔ مختلف قصبات اور دیہات میں بیانات کا سلسلہ ہوتا۔ حضرتؒ کی حوصلہ افزائی سے ان اسفار میں وعظ و نصیحت پر مبنی بیانات کرنے کا موقع ملا۔ حضرت مولانا منظور احسنؒ اور حضرت اقدسؒ کے بیانات آخر میں ہوتے۔ ان سے سیکھنے کا موقع ملتا۔ تقریر اور گفتگو کرنے کا صحیح طریقہ اسی سفر میں ان حضرات سے سیکھا۔ بسا اوقات جوش میں کوئی ایسے جملے استعمال ہو جاتے، جو مناسب نہ ہوتے تو حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ علاحدگی میں تنبیہ فرماتے کہ: ''عمومی بات چیت، گفتگو، خطاب اور بیان میں غیر پارلیمانی الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔'' تقریر اور بیان کا صحیح انداز و اسلوب اور مربوط طور پر تقریر کرنے کا طریقہ اسی دوران حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ اور مولانا منظور احسن دہلویؒ سے سیکھنے کا موقع ملا۔

بسا اوقات حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کو خود خانقاہ کی مصروفیت کی وجہ سے رائے پور ہی ٹھہرنا پڑتا۔ ایسے موقع پر کسی قصبے اور گاؤں میں بیان کرنے کے لیے حضرت مولانا منظواحسن دہلویؒ کے ہمراہ مجھے بھجوا دیتے۔ ہم لوگ واپس آتے تو حضرت اقدسؒ بذاتِ خود ہمارے کمرے کی بکھری ہوئی چیزوں کو درست کر چکے ہوتے۔ کمرے کی چیزوں کو سلیقے اور ترتیب کے ساتھ رکھنے میں حضرتؒ کو بڑا کمال حاصل تھا۔ بے ترتیبی سے پڑی ہوئی چیزوں پر حضرتؒ کو اُلجھن ہوتی تھی۔ چناں چہ خود ہی کمرہ بند کر کے صفائی ستھرائی کرتے اور چیزوں کی ترتیب زیادہ بہتر بنانے کے لیے تبدیلیاں لاتے رہتے۔ ہمارے بستر ے اور سامان خود سلیقے کے ساتھ ترتیب دیتے۔ ہمیں کوئی بات سمجھانا ہوتی تو بہت سلجھے ہوئے انداز میں سمجھاتے۔ حضرتؒ کی انھی اداؤں نے ہمیں حضرتؒ کا گرویدہ کر دیا۔ ورنہ تعلیم کے دوران کراچی میں بڑے بڑے علما کے حالات دیکھ کر بڑی مایوسی ہوتی تھی۔ حضرتؒ کی صحبت اور معیت نے سچے علمائے حق کے طرزِ فکر و عمل کی یاد تازہ کر دی۔

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 31/ اکتوبر 2014ء/ 6/ محرم الحرام 1436ھ کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (208:2) کے تناظر میں مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے:

ابتدائے آفرینش اور ماہِ محرم الحرام

''معزز دوستو! حرمت والے مہینے محرم الحرام کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں کائنات کی ابتدا ہوئی۔ سورج، چاند، ستاروں کی گردش کا آغاز ہوا۔ دن رات اور اس کی بنیاد پر سالوں اور صدیوں کا نظام وجود میں آیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس حوالے سے یہ حقیقت واضح کی کہ ابتدائے آفرینش اسی محترم مہینے میں ہوئی۔ اسی طرح قابل احترام انسانیت کا آغاز بھی اس کرۂ ارض اور کائنات پر اسی ماہِ مبارک میں ہوا۔ اس لیے اس مہینے کا نام بھی محرم الحرام، یعنی حرمت اور عظمت والا مہینہ قرار دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ہوئی ہے۔ اس لیے ملاءِ سافل کے فرشتوں سمیت دیگر ارضی مخلوقات کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں۔ یہ سجدۂ عبادت نہیں تھا، بلکہ سجدۂ تعظیمی تھا کہ انسان کی عظمت کو سلام کیا جائے۔ اس کے احترام کو ہر حالت میں پیشِ نظر رکھا جائے۔ گویا کہ اس کائنات' خاص طور پر کرۂ ارض کا نظام چلانے والی فرشتوں کی قوتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ انسانیت کے احترام کو پیشِ نظر رکھیں۔

اس حرمت والے مہینے میں یہ سب کچھ اسی حوالے سے ہے کہ ابتدا سے ہی انسانیت اپنی عظمت اور حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سال کے سب سے پہلے مہینے کا نام اسی عظمت اور حرمت کے حوالے سے محرم رکھا گیا۔ حرمت کے اظہار کے لیے۔ حرمت کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے۔

سال کے بارہ مہینے قرار دیے گئے۔ ان مہینوں میں ردّ و بدل، تغیر و تبدل کو ناجائز قرار دیا گیا۔ قرآن نے کہا: اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (37:9) مہینوں میں ردّ و بدل کرنا، اوقات و ایام کی ترتیب بدلنا، بارہ کی بجائے چودہ مہینے بنا دینا، یا دس مہینے کا سال بنا دینا، یا کسی بھی مہینے کو اپنی مرضی سے محرم یا محترم بنا دینا، یہ سب النَّسِیْٓءُ کے مفہوم میں شامل ہے کہ اس طرح کے ردّ و بدل کو کفر میں زیادتی قرار دیا گیا۔ اور اس کو کافروں کی گمراہی کا سبب قرار دیا گیا۔ یہ اس لیے ہے کہ احترامِ انسانیت کے حوالے سے مہینوں کی اس ترتیب کو سامنے رکھا جائے، جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے قائم کی ہے۔''

جماعتِ صحابہؓ کی عظمت

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''احترامِ انسانیت کی اساس پر انسانی معاشرے کی اعلیٰ درجے پر تشکیل کے لیے آں حضرت ﷺ نے ایک اولوالعزم جماعت تیار کی۔ جس نے حضورؐ کے بعد اگلے سو سال تک انسانیت کی ترقی اور خوش حالی میں انقلابی کردار ادا کیا۔ جماعتِ صحابہؓ نے تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے ساتھ مل کر احترامِ انسانیت کے تین دائروں کی تکمیل کی۔ یعنی سیاسی طور پر سوسائٹی میں تمام انسانوں کو بلاتفریق رنگ، نسل مذہب امن مہیا کرنا۔ معاشی حوالے سے تمام انسانوں کے معاشی حقوق عدل و مساوات کی بنیاد پر پورا کرنا اور معاشی خوش حالی پیدا کرنا۔ جب کہ فکر و نظریے کے حوالے سے ظلم کے مقابلے پر عدل کی سوچ کو پیشِ نظر رکھنا۔ ان تین دائروں میں تکریم انسانیت کا عمل پورا ہوتا ہے۔

احترامِ انسانیت کے اسی کردار کے سبب جماعتِ صحابہؓ کی اجتماعیت، عظمت اور احترام کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے کہ جو جماعت دنیا میں احترامِ انسانیت کا سیاسی معاشی، سماجی اور فکری اور نظام قائم کرنے کے لیے کردار ادا کرے، وہ خود احترام کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی لیے حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا: **اللّٰہ اللّٰہ فی أصحابی لا تتّخذوھم من بعدی غرضا.** خبردار! تمھیں اللہ کی قسم۔ اللہ اللہ عربی میں اللہ کی قسم اور خبردار کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: خبردار! سنبھل کر بیٹھو۔ تمھیں اللہ کی قسم۔ میرے صحابہؓ کے بارے میں ڈرو۔ میرے بعد ان صحابہؓ کو تنقید کا نشانہ مت بنانا، ان کی رائے کے بارے میں کسی ذاتی خود غرضی، مفاد پرستی، لالچ کے حوالے سے ان پر کوئی تنقید مت کرنا۔ کیوں کہ ان تمام کے بارے میں اعلان کر دیا گیا کہ **رضی اللّٰہ عنھم و رضو عنہٗ**۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

بشری تقاضے سے کوئی نسیان ہو سکتا ہے، بھول ہو سکتی ہے، کوئی لغزش بھی ہو سکتی ہے، انسان ہیں، لیکن یہ اس غلطی اور لغزش پر کبھی قائم نہیں رہیں گے۔ ان کا ہر فیصلہ، ان کا ہر کام، ان کا ہر اقدام محفوظ ہے۔ معصوم تو نہیں ہیں۔ معصوم تو سوائے نبی کے اور کوئی نہیں۔ صحابہؓ کی عصمت محفوظ ہے۔ یعنی ان کی حفاظت کی گئی ہے کہ یہ غلط بات پر کبھی قائم نہیں رہ سکتے۔ بشری تقاضے سے وقتی طور پر ذہن سے کوئی بات اوجھل ہو جائے، یہ ہو سکتا ہے لیکن اس غلطی پر اصرار نہیں کریں گے۔ غلطی کو غلطی مان کر توبہ اور استغفار سے صحیح موقف پر آ جائیں گے۔ ان کی تربیت ہی ایسے خطوط پر ہوئی ہے۔ اسی حدیث میں آگے چل کر ارشاد فرمایا: ''**فمن أحبّھم فبِحُبّی أحبّھم.**'' جو اِن سے زیادہ محبت رکھے گا، تو میری محبت بھی اس کے ساتھ زیادہ ہوگی۔ میں بھی اس سے محبت رکھوں گا۔ لیکن ''**من أبغضھم فببغضی أبغضھم.**'' اور جو اِن سے بغض رکھے گا تو میرا بغض و عداوت بھی ان کے بارے میں ہوگا۔'' اس لیے کہ ان حضرات رضی اللہ عنہم نے احترامِ انسانیت کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں، قیامت تک اس کی نظیر نہیں ہو سکتی۔''

پروپیگنڈے کی آڑ میں اسلام کے سیاسی نظام کو مسخ کیا جاتا ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد صحابہؓ کے درمیان اختلافِ رائے ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان، حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان بھی اختلاف ہوا۔ اس اختلاف کو حل کرنے کے لیے حضرت حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان صلح ہوئی۔ جس کے بعد اس جماعت میں تقسیم کار کے اصول پر ذمہ داریاں تفویض کردی گئیں، کہ جس میں جو صلاحیت زیادہ ہے، وہ اس کے مطابق کام کرے۔ گویا کہ اختلافِ رائے کے حوالے سے جو دو گروپس وجود میں آگئے تھے، ان میں صلح کروادی گئی کہ سیاست، حکومت، نظمِ مملکت، بنواُمیہ کے پاس ہی رہے۔ جب کہ دینی جماعت کی قیادت، تعلیم و تربیت، نظریے کا پھیلاؤ، دعوت، تزکیہ اور دینی شعور کی بلند نظری پیدا کرنے کی جدوجہد اور کوشش علمائے اہل بیت اور ان کے تربیت یافتگان کے سپرد ہوئی۔ حضرت حسنؓ اس صلح کے بعد چھ سات سال زندہ رہے۔ انھوں نے اس پر عمل کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے بیس سال حکمرانی کی۔ انھوں نے بھی اس پر عمل کیا۔

آج بڑے دھڑلے سے کچھ گروہ خودساختہ فلسفے کی روشنی میں حضرت امام حسینؓ کے نام پر ایک نیا مکتبِ فکر کھڑا کرتے ہیں۔ جس میں وہ حضرت حسینؓ کو حکمرانی کے دعوے دار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ حال آں کہ حضرت حسینؓ کی کوئی ایک تقریر نہیں دکھائی جاسکتی، جس میں انھوں نے اپنی حکمرانی کا دعویٰ کیا ہو۔ انھوں نے اصولی اور کلی بات، جو ہر داعی کو کہنی چاہیے، وہ کہی۔ ایسی گفتگو فرمانا ان کے فرائض میں سے ہے۔ اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ اس دور کے مسلمانوں کا پورے کا پورا سیاسی نظام کفر اور ظلم پر مبنی تھا۔ اس لیے حضرت حسینؓ نے کربلا میں جو آخری تقریر کی، اس میں صاف طور پر کہا کہ: اگر کوفے والے مجھے کوفہ میں داخل نہیں ہونے دیتے تو تین آپشن ہیں: ایک یہ کہ تم میرا راستہ چھوڑو اور واپس مکہ جانے دو۔ اور اگر یہ نہیں تو دوسرا آپشن یہ کہ میں خود دمشق جاتا ہوں اور اپنے بھائی یزید سے اپنے معاملات حل کرلیتا ہوں۔ تم لوگ راستے سے ہٹ جاؤ۔ أخي يزيد (میرا بھائی یزید) کے الفاظ حضرت امام حسینؓ نے خود استعمال کیے۔ اور تیسرا راستہ یہ ہے کہ اگر تم مجھے براہِ راست مسائل حل کرنے کے لیے وہاں نہیں جانے دیتے تو مجھے اس ریاست کی حدود سے باہر جانے دو۔

آپ دیکھئے کہ یہاں کہیں بھی انھوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں حکمران ہوں یا میں خلیفہ برحق ہوں۔ بات چیت اور گفتگو اور اختلافِ رائے تو اُمت میں حسن ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: ''إختلاف أمّتي رحمة.'' (میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔) ہر مہذب سوسائٹی میں اختلافِ رائے کو اچھا اور بہتر سمجھا جاتا ہے کہ ایک کام کو بہتر سے بہتر کرنے کے حوالے سے مختلف پوائنٹ آف ویوز سامنے آئیں کہ اس کو زیادہ بہتر کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ جس معاشرے میں اختلاف نہ ہو، گھوڑے گدھے سب برابر ہوں، وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔ لیکن اختلافات کی بنیاد پر تضادات پیدا کرکے انتشار پھیلانا درست نہیں ہے، اور وہ بھی گزری ہوئی تاریخ کی بنیاد پر، حال آں کہ اس زمانے میں تو کبھی یہ بات نہیں ہوئی۔ وہاں تو تضادات کی ایسی نوعیت موجود نہیں۔ ڈھائی سو سال کے بعد کچھ لوگوں نے تفرقہ پیدا کرنے کے لیے، خودساختہ جھوٹی روایات گھڑیں، جن کا نہ سر نہ پیر۔ ایسی جھوٹی روایات کی بنیاد پر گروہیتیں پیدا کرنا اور جماعتِ صحابہؓ میں افتراق و انتشار ثابت کرنا، تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

ذرا یورپ کی تاریخ اٹھا کر دیکھو، فرانسیسی حکمران طبقوں کی آپس کی لڑائیاں، برطانوی حکمرانوں کی لڑائیاں، جب کہ انسانوں کی قتل و غارت گری سے لاشوں کے پشتے اور انبار لگادیے گئے، لیکن جب یورپ کی ہسٹری بیان کی جاتی ہے تو اجتماعی نقطہ نظر سامنے ہوتا ہے۔ اجتماعی سیاسی، معاشی فیصلے یا اثرات و نتائج پر بحث کی جاتی ہے۔ اختلافِ رائے کے نتیجے میں ہزاروں حکمران یا شہزادے قتل ہوئے، لیکن ایسی گروہیت، جس کی اساس پر سوسائٹی کو تقسیم کیا جائے، یہ فکر و عمل فلسفہ تاریخ کے ہمیشہ منافی رہا ہے۔ اجتماعیت کی اساس پر، سوسائٹی میں مجموعی سوچ اور فکر کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔

جب سے مسلمانوں کا بین الاقوامی نظام ختم ہوا، یہ افتراق و انتشار باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہمارے معاشروں پر مسلط کیا گیا کہ جماعتِ صحابہؓ کے اختلاف کو بنیاد بنا کر تقسیم در تقسیم پیدا کی گئی۔ خاص طور پر وہ بنواُمیہ، جن کی سیاسی طاقت وقوت اور شعور نے یورپ کو شکست دے کر وہاں کا نظام انسانی تقاضوں کے مطابق تشکیل دیا۔ بحری بیڑے بنانے والا کون؟ حضرت امیر معاویہؓ ہیں۔ مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ 40ھ سے لے کر 60ھ تک کا یہ بیس سالہ دور مکمل طور پر امن وامان، اجتماعی طاقت، غیر فرقہ وارانہ اور معاشی ترقی وخوش حالی کا سب سے بہترین دور ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لے کر حضرت حسنؓ کی خلافت کے چھ سالہ دورانیے میں باہمی اختلافات ہوئے، لیکن اگلے بیس سال میں مسلمانوں کی اس اجتماعی طاقت نے پورا یورپ اور پورا افریقا فتح کیا۔ یورپ کی سامراجی صلیبی طاقتوں کو شکست دینے والے کون ہیں؟ بنواُمیہ ہیں۔ تو یورپ کو بنواُمیہ سے سیاسی طور پر ناراضگی ہے۔ امیر معاویہؓ ہی کے زمانے میں ان تمام سامراجی صلیبی قوتوں کا مرکز قسطنطنیہ تھا، انھی کے دور میں اس کو حاصل کرنے کے لیے کوششیں کی گئیں۔ یورپ کی طاقت کو للکارنے والوں کے بارے میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ مسلم سیاست فیل ہوگئی، ظلم کا نظام قائم ہوگیا، سرخ آندھیاں چلنے لگیں، رونا پیٹنا، مرثیے پڑھنا، اور پھر سیاسی تباہی کی منظرکشی کرنا قطعی غلط ہے۔

یہ کہنا کہ امامت اور حکومت ایک خاص نسب کے اندر محدود ہے اور حق حکمرانی یا امامت کا منصب صرف حضرت علیؓ کی اولاد میں بند ہے۔ امام اس کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا، درست نہیں ہے۔ وہ دین جو بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب کل انسانیت کے لیے آیا ہے۔ جس کی سیاست، معیشت کل انسانوں کے عمومی مفاد کے لیے ہے، اس کے سیاسی نظام اور اس کے علمی و قانونی نظام کو ایک محدود دائرے، خاندان اور نسل میں بند کردینا، اسلام کے سیاسی نظام پر ایک بدنما دھبہ لگانے کی کوشش ہے۔ اور علمی اور فکری نظام پر برہمنیت کا ٹھپہ لگانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔''

www.rahimia.org

بچو! خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو

(چوہدری افضل حق آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

بلقیس بی بی۔ السلام علیکم

خدا نے اپنی کتنی نعمتیں ہمیں دی ہیں، دیکھنے کو آنکھیں، سننے کو کان، سونگھنے کو ناک اور چکھنے کو زبان عطا کی۔ اگر کوئی ان میں سے نہ ہو تو زندگی کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ میں نے تمھیں بتایا تھا کہ یہاں ایک حافظ صاحب ہیں۔ بینائی سے بچپن میں محروم ہو گئے تھے۔ بڑا علم حاصل کیا ہے۔ انگریزی، اردو، عربی، فارسی کے علاوہ قرآن کے حافظ، حدیث کے واقف، مگر بینائی کی محرومی کے باعث دنیا اندھیر ہے۔ قدم قدم پر رات دن ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ صبح جب صبا موتی بکھیرتی آتی ہے تو بے چارے نیند سے بیدار ہوتے ہیں، مگر سہانے وقت کی رنگینی سے پورے طور پر بہرہ اندوز نہیں ہوتے۔ سورج جگمگاتا نکلتا ہے، وہ دیکھ نہیں سکتے۔ گھٹائیں جھوم کے اُٹھتی ہیں، وہ سرد ہوا کو تو محسوس کرتے، مگر موسم کا پورا مزہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم درختوں کے سبز پتوں اور پھولوں کی زیبائی اور خوش نمائی کا ذکر کرتے ہیں، وہ غور سے سنتے ہیں، مگر سمجھ نہیں سکتے۔ پرندوں کو چہچہاتا سنتے ہیں، مگر ان کے پروں کی رنگا رنگی سے خوشی محسوس نہیں کر سکتے۔ ہم کہتے کہ حافظ جی تیتری بڑی خوش ہوتی ہے، وہ جواب میں اچھا جی کہہ دیتے ہیں، مگر مایوسی سے آہ بھرتے ہیں۔ کیوں کہ رنگ رنگیلی تیتری کو دیکھنے کی آنکھیں نہیں۔

آج صبح جو ساتھی پھولوں کے خوب صورت گلدستے بنا کر لائے، ان کی رنگا رنگی نظر کو کتنی بھاتی تھی۔ ہم نے گلدان ان کے سامنے رکھ دیے۔ انھوں نے پھولوں کو ہاتھ پھیر کر ان کی نرمی اور نزاکت کو چھو کر اندازہ کیا۔ ان کا رنگ جو درحقیقت آنکھ اور روح کی غذا تھی، نہ دیکھ سکتے تھے۔ بے چارے دل مسوس کر رہ گئے۔ آج صبح سے بارش ہو رہی ہے۔ اودی اودی کالی گھٹاؤں نے سماں باندھ رکھا ہے۔ بارش کے قطرے موتیوں کی طرح برس رہے ہیں۔ میدانوں میں پانی بھر کا تالاب بنے ہیں۔ حبابوں (بلبلوں) کے خیمے پانی میں کھڑے ہیں۔ کچھ نورانی کشتیوں کی طرح بہے جاتے ہیں۔ پھول پتے نہا نکھر کر خوب صورت بچوں کی طرح جھات جھات کہہ رہے ہیں۔ ہم سب قدرت کے ان نظاروں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، لیکن حافظ جی بے چارے ایک کونے میں دبکے بیٹھے ہیں۔ وہ صرف بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سُن سُن کر سہمے جاتے ہیں۔ گرمیوں میں ساون قدرت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جھلسی ہوئی زمین ہی ہری بھری نہیں ہو جاتی، بلکہ مُردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ غم دُور ہو کر دل میں سرور پیدا ہو جاتا ہے، لیکن حافظ جی سردی کی بہار کے بغیر ساون کے سہانے سمے کی کیفیتوں سے محروم ہیں۔ اندر چادر اوڑھ کر سو جاتے ہیں۔ قدرت باہر کھڑی حسن بکھیرتی ہے۔ یہ اسے دیکھنے سے معذور ہیں۔ بچو! خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اُن لوگوں کی خدمت کا بیڑہ اُٹھاؤ جو اندھے، لولے اور لنگڑے یا امداد کے مستحق ہیں۔ ابھی تم چھوٹے ہو، علم حاصل کرو۔ صحت کو بہتر بناؤ، تا کہ بڑے ہو کر خدا کی مخلوق کی خدمت کرنے کے قابل ہو سکو۔

خواتین کا دینی تعلیمات کی روشنی میں مقام اور ان کا سماجی کردار

اسلام دینِ فطرت ہے۔ امام الانبیا حضرت محمد ﷺ نے معاشرے کے پسے ہوئے طبقوں کے حقوق کے تحفظ کو اپنی نبوت کا مقصد اور نتیجہ قرار دیا۔ معاشرے کے کمزور طبقے؛ عورتیں، یتیم، لونڈیاں اور حقوق سے محروم فقرا و مساکین کے حقوق کا تحفظ۔

آج ہم ان میں سے صرف خواتین کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ اسلام سے قبل خواتین کو معاشرے میں انسانی سوسائٹی کے فرد کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ کئی مذاہب و ادیان کے ماننے والے بھی عورت کو ایک جاندار اور مردوں کی محض تسکین کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اہلِ عرب کے بھی کچھ قبائل اس کو اپنی سوسائٹی میں کوئی اہم مقام و کردار دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگرچہ قریش کے معاشرے میں عورت کو کچھ حیثیت حاصل تھی، جیسے تجارت کرنے کا حق حاصل تھا اور اشیا اور غلاموں کی خرید و فروخت کرتی تھیں، مگر سماجی زندگی میں رائے دینے اور گھریلو زندگی میں بہت سے حقوق سے محروم تھیں۔ حقوقِ میراث سے محروم تھیں، بلکہ بعض علاقوں میں مالِ میراث کے طور پر تقسیم بھی ہو جاتی تھیں۔ اسلام نے عدل و انصاف کی بنیاد پر زندگی کی تشکیل و ترکیب میں مرد و عورت دونوں کی حیثیت کا تعین کر دیا۔ اسلام نے عورت کو انسانی مقدس رشتوں کے عنوانات سے پیش کیا، تا کہ خواتین کا سماجی کردار واضح اور متعین ہو سکے:

1۔ عورت کی حیثیت ماں کی ہے۔ اس کے حقوق و فرائض کیا ہیں، ان کا تعین و تحفظ بھی دینِ فطرت نے اپنی تعلیمات میں واضح کر دیا۔
2۔ وہ بہن کی حیثیت بھی رکھتی ہے، جو کہ ایک پیارا اور مقدس رشتہ ہے۔
3۔ بیٹی کی حیثیت سے اس کی عزت و عفت کا تصور ایک مسلّم حیثیت رکھتا ہے۔
4۔ بیوی کی حیثیت سے خاندان کی تشکیل کی بنیادی اکائی ہے۔

اسلام خواتین کی سماجی زندگی کے ہمہ جہتی کردار کے حوالے سے واضح رہنمائی دیتا ہے۔

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے لیے نبی اکرم ﷺ کا گھرانہ اُسوہ و نمونہ ہے۔ خواتین کے کردار کو قرآن حکیم نے متعین کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''عورتیں یاد رکھیں! جو کچھ تمھارے گھروں میں اللہ کے احکامات اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں''۔ گویا قرآن حکیم نے خواتین اسلام کے لیے امورِ حیات اور ذمہ داریوں کو متعین کر دیا:

1۔ احکاماتِ الٰہیہ کی تعلیم و تدریس اور حفاظت کرنا۔
2۔ ان تعلیمات کے حوالے سے نسلِ نو کی تربیت کا اہتمام کرنا۔
3۔ سماجی علوم کی حفاظت اور ان پر تربیت۔ جیسا کہ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ ''نسّابة العرب'' یعنی عربوں کے نسب کے علوم کی ماہر تھیں۔

آج بھی ہماری مسلمان خواتین اپنی سماجی و علمی اور تربیت کی ذمہ داریاں ادا کر کے اس اسوۂ نبوی ﷺ کے مطابق اپنے گھروں کو ایک تعلیم و تربیت کے ادارہ کی شکل دے کر انھی صفات و خصوصیات کا اظہار کر سکتی ہیں۔

www.rahimia.org

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

حضرت نانوتویؒ کی تواضع کا ایمان افروز واقعہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) لکھتے ہیں کہ حضرت والد ماجد (مولانا محمد احمد بن مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) نے فرمایا کہ:

''رام پور کے ایک مخالف و معاند خاندان کے دو بھائی تھے، جن سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) کا بچپن سے میل جول تھا۔ اور حضرتؒ کا معمول تھا کہ جب رام پور تشریف لے جاتے تو (بچپن کے اس تعلق کی وجہ سے) ان دونوں بھائیوں سے ملنے ضرور جاتے اور وہ حضرتؒ سے ملنے حضرت حکیم ضیاءالدین رام پوری کے مکان پر آتے۔ (بعد میں یہ خاندان حضرت نانوتویؒ کا مخالف ہوگیا۔ چناں چہ) اس خاندان کی مفسدہ پردازیوں کے زمانے میں بھی حضرت نانوتویؒ کی یہ عادت نہ بدلی۔ حضرت حکیم ضیاءالدین صاحب (رام پوری) کو ناگوار ہوتا تھا کہ اب حضرت ان مفسدوں میں کیوں تشریف لے جاتے ہیں، حال آں کہ انھوں نے خود حضرت ہی پر کیا کیا زبردست الزام نہیں لگائے! مگر حضرت نے (اُن کے خلاف) زبان سے کبھی کچھ نہیں فرمایا۔

ایک دفعہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا رام پور میں اجتماع ہوا اور حضرت مولانا نانوتویؒ حسبِ عادت اسی مقام پر تشریف لے گئے تو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب (رام پوری) نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے سامنے ناک چڑھا کر فرمایا کہ:

''دیکھئے! مولانا نانوتوی اب بھی وہاں جانا نہیں چھوڑتے۔''

حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہیؒ مسکراتے رہے۔

جب حکیم صاحب کی تیزی بڑھتی گئی اور صفائی سے فرمانا شروع کیا تو حضرت گنگوہیؒ نے ذرا مستعد (ہوشیار) ہوکر فرمایا کہ:

''حکیم صاحب! آپ کیا فرما رہے ہیں؟ آپ ان (مولانا نانوتوی) کے قلب کی حالت ملاحظہ نہیں فرماتے؟ جس شخص کے قلب میں (تواضع کی وجہ سے) ایمان کی طرح یہ راسخ ہو چکا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ ذلیل وخوار کوئی ہستی نہیں ہے تو ایسے شخص کو آپ کس طرح کہیں آنے جانے سے روک سکتے ہیں؟ اور کہیں چلے جانے سے ان پر اثر کیا ہوسکتا ہے؟''

حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے محبوب ہم جماعت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی شخصیت کا بالکل صحیح تجزیہ فرمایا کہ ان میں حقیقی تواضع کی وجہ سے اس قدر بلند درجہ اعلیٰ ظرفی موجود ہے کہ مخالف خاندان کی مخالفانہ سرگرمیاں اور معاندانہ رویے ان کے بچپن کے تعلقات نبھانے میں حائل نہیں ہوسکتے۔ ہمارے اکابر کا اس طرح عفوودرگزر اختیار کرنا دراصل نبوی خُلق ہے اور دشمن کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی کا مؤثر توڑ ہے۔ افسوس! کہ ان کے نام لیوا نام نہاد علما آج ایسے اوصاف سے عاری ہیں۔

وسیم اعجاز، کراچی

امیر الشہید حضرت سید احمد شہیدؒ

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جس تحریک کی بنیاد رکھی اس کی ایک شاخ رائے بریلی میں شاہ ابوسعیدؒ کی نگرانی میں اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ اس مرکز کو دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اسی دائرہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی 6 صفر المظفر 1201ھ بمطابق **29 نومبر 1786ء** کو پیدائش ہوئی۔ آپؒ کے والد کا نام سید محمد عرفان تھا۔ نسباً علوی تھے۔ 4 سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ 18 سال کی عمر میں شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں دہلی تشریف لے گئے اور ان سے سلاسل سلوک واحسان چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ انھی کے حکم سے قرآنِ حکیم کا ترجمہ اور تفسیر شاہ عبدالقادر دہلویؒ سے پڑھا۔ اس طرح دہلی میں پانچ چھ سال تک ولی اللّٰہی مشائخ کی صحبت میں رہ کر آپؒ نے ان کے علوم وافکار پر دسترس حاصل کی۔

ولی اللّٰہی تحریک نے امام شاہ عبدالعزیزؒ کے دور میں وطن عزیز کی آزادی کے حصول کے لیے قومی رخ اختیار کرلیا تھا۔ امام شاہ عبدالعزیزؒ نے سید احمد شہیدؒ کو فوجی تربیت کے لیے امیر خان والیٔ ٹونک کے لشکر میں بھیجا۔ آپؒ نواب کے لشکر میں 6 سال تک رہے۔ 1818ء میں جب نواب نے انگریزوں سے صلح کرلی تو یہ بات سید احمدؒ کو ناگوار ہوئی اور آپؒ واپس امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ سید احمد شہیدؒ کی واپسی پر امام شاہ عبدالعزیزؒ نے ولی اللّٰہی تحریک کے دو بورڈ بنا دیے۔ نظریاتی اور فکری ونگ کی کمانڈ امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو سونپی اور عسکری امور کی انجام دہی کے لیے سید احمد شہیدؒ کو امیر مقرر کیا گیا۔ عسکری ونگ میں مشیر کے طور پر شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ کو نامزد کیا گیا۔ اس جماعت نے ولی اللّٰہی افکار پر قومی تحریک کا آغاز کردیا اور پورے ہندوستان میں جماعت سازی کے لیے دورے کیے۔ رابطوں کا ایک منظم سلسلہ شروع کیا۔

1824ء میں حج بیت اللہ سے واپسی پر دوبارہ عملی تحریک کا آغاز کیا گیا۔ ابتدائی طور پر دو ہزار افراد پر مشتمل جماعت کی تیاری عمل میں آئی۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ کی مشاورت سے اطراف ہند کے دورے کیے گئے۔ 1825ء میں دیوبند، پانی پت، کرنال سے مالیرکوٹلہ پہنچے۔ وہاں سے بہاول پور، حیدرآباد، پیر جوگوٹھ، شکارپور، کوئٹہ، پشین، قندھار اور کابل کے راستے پشاور سے نوشہرہ گئے۔ اس دوران باقاعدہ تنظیم سازی کی گئی، ہر ضلع، صوبہ اور قصبات میں مراکز بنائے گئے اور عہدے دار مقرر کیے گئے۔ 1827ء میں افغانی قبائل نے بھی سید احمد شہیدؒ کو اپنا امیر مان لیا تھا۔ جنوری 1827ء کو سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر امامت وخلافت کی بیعت ہوئی اور آپؒ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ چند روز بعد پشاور کے سردار لشکر اور توپ خانہ لے کر نوشہرہ کے قریب 'سرمائی' کے مقام پر سکھوں کے خلاف جہاد کے لیے حاضر ہوئے۔

(بقیہ صفحہ 11 پر)

تأثرات مولانا قاری محبوب الرحمٰن انور، لاہور

بیادِ شیخ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

پھولوں نے کہا صحرا نے سنا وہ شخص سمندر جیسا تھا

سیدی، مرشدی، حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اپنے اندر واقعتاً سمندر جیسی وسعت رکھتے تھے۔ ان کی مجلس میں' خدمت میں جو بھی آیا' ان کا گرویدہ ہوگیا اور ان میں ہزاروں نوجوان ایسے بھی ہیں، جنھوں نے حضرتؒ کی سوچ اور نظریے کو ایسا اختیار کیا کہ آج حضرتؒ ہم میں نہیں، لیکن وہ اس سوچ اور نظریے کے فروغ کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس کے ابلاغ کے لیے بھرپور جدوجہد میں مصروف ہیں۔ یہ نوجوان قوم کا مستقبل ہیں۔ حضرت اقدسؒ کی ہمیشہ یہ خواہش اور جدوجہد رہی۔ ع

جوانوں کو مِری آہِ سحر دے　　پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے　　مِرا نورِ بصیرت عام کر دے

حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ سے میری پہلی ملاقات لاہور میں ہلال انجینئرنگ ملتان روڈ لاہور میں ہوئی تھی۔ اس وقت اتنی سمجھ بوجھ نہیں تھی، لیکن نوجوانوں کے ساتھ حضرتؒ کی شفقت اور محبت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ بعض نوجوان بڑے تلخ و ترش سوالات کرتے، لیکن حضرتؒ بڑی شفقت اور محبت سے ان کو مطمئن فرماتے۔ جیسے شفیق باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے اور مستقبل کے لیے ان کو اس قابل بناتا ہے کہ باپ کے بعد اس کے کام کاج کو سنبھال سکے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق فرمائے۔

حضرت اقدسؒ سے میری دوسری ملاقات 56- میکلوڈ روڈ لاہور کی ایک مسجد میں دسترخوان پر ہوئی اور مجھے حضرتؒ کے ساتھ کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوا۔ مدارس میں پڑھنے کے باوجود وہاں کے بعض افراد کے تصنع اور نمود و نمائش کی وجہ سے خانقاہ، تصوف، پیرومرشد جیسے الفاظ سے نفرت تھی، لیکن دوسری ملاقات میں حضرتؒ سے اتنا تعلق اور لگاؤ پیدا ہوا کہ یہ الفاظ پھر اجنبی نہ رہے اور غیر محسوس انداز میں تربیت کا ماحول بنتا چلا گیا اور دینی شعور میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تب یہ بات واضح ہوئی کہ مدارس میں صرف علم تو ہے، لیکن دینی تربیت نام کی کوئی چیز نہیں اور یہ ظلم تا حال جاری ہے۔ حضرت اقدسؒ کی سرپرستی میں چلنے والے مدارس میں طلبا کی علمی اور عملی تربیت جاری ہے، جس سے ہزاروں طلبا مستفیض ہو رہے ہیں۔ حضرتؒ کا یہ فیض جاری و ساری ہے۔

حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ نے جو راستہ اختیار فرمایا، بلاشبہ پاکستان کا معاشرہ مکمل طور پر اس کے برخلاف سوچ پر بنایا گیا۔ تمام سیاسی، مذہبی اور اصلاحی جماعتوں میں اکابرین علما و اولیا کی سچی سوچ کو اختیار کر کے اس پر جماعت سازی کا کام کرنا ہمیں کہیں نظر نہیں آتا، بلکہ کسی نہ کسی حوالے سے یہ جماعتیں سامراج کو اور موجودہ ظالمانہ نظام کو ہی تقویت دینے کا کردار ادا کرتی نظر آتی ہیں۔ ایک دور تھا جب حضرت اقدسؒ کے مخالفین بڑے دعوے کرتے تھے اور مخالفت میں پیش پیش نظر آتے تھے۔ آج ان میں سے اکثر لوگ ایک ایک کر کے ماضی کا قصہ بن کر رہ گئے، لیکن وہ سوچ اور نظریہ جو ولی اللّٰہی جماعت' خصوصاً مشائخ رائے پور نے اختیار کیا، وہ دن بہ دن نوجوانوں کے ذہن میں راسخ ہوتا چلا جا رہا ہے اور نوجوان مایوسیوں اور محرومیوں سے نکل کر اپنے مستقبل سے پُرامید ہے کہ وہ سچی فکر ضرور بالضرور غالب آئے گی، جو اُن کے اندر مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے پیدا کی تھی۔

حضرت اقدسؒ نے اپنے متعلقین کو ہمیشہ فرقہ واریت کے خلاف ذہن دیا اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر ہمیشہ زور دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ راقم الحروف اردو بازار لاہور کی جامع مسجد غوثِ اعظمؒ میں خطابت و امامت کے فرائض 25 سال سے سرانجام دے رہا ہے۔ جس میں ہر مسلک کے لوگ نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرتؒ کی ہدایات کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ ایک دفعہ کچھ دوستوں نے مسجد کا نام تبدیل کرنے کی بات کی تو حضرتؒ سے مشورہ ہوا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''بھائی! یہ تو بڑا پیارا نام ہے اور حضرت غوث صاحبؒ (شیخ عبدالقادر جیلانی) تو بہت اونچے درجے کے بزرگ ہیں۔ نام تبدیل نہیں کرنا، لوگوں کے ذہن تبدیل کرو۔'' اُردو بازار والوں کی یہ خوش نصیبی تھی کہ حضرتؒ تین بار ہماری مسجد میں تشریف لائے۔ آخری بار تو کمال ہوگیا کہ حضرتؒ مسجد کی انتظامیہ کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ حضرتؒ سے پہلے محترم حضرت سید مطلوب علی زیدی مدظلہٗ نے خانقاہ اور رائے پوری سلسلے کا تعارف کروایا۔ پھر حضرتؒ نے جامع خطاب ارشاد فرمایا۔ آخر میں توبہ کے کلمات کہلوا کر تمام لوگوں کو سلسلۂ رائے پور میں بیعت کر لیا اور دعا فرمائی۔ راقم الحروف نے جن مدارس میں پڑھا تھا، وہاں دیوبندی خیالات تھے، لیکن امامت و خطابت کے لیے جو مسجد ملی' وہ بریلوی مسلک کی تھی۔ یہ میرے حضرتؒ کی کرامت ہے کہ وہاں پچھلے 25 سال سے خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔ مروّجہ تمام مسالک کے سنجیدہ لوگ ہماری مسجد میں جمعہ اور نمازیں ادا کرتے ہیں اور کوئی تعصب اور نفرت کی بات نہیں کرتا۔ ع

خس خس جناں قدر نئیں میرا ، میرے صاحب نوں وڈیائیاں
میں گلیاں دا کوڑا رُوڑا ، تے محل چڑھایا سائیاں

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی زیارت: حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی وفات سے چند مہینے پہلے مجھے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضرتؒ باغ کے ایک حصے میں موجود ہیں اور موجودہ حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ میرے آگے ہیں۔ حضرت نے خوب صورت رومال باندھ رکھا ہے اور بہت بڑا جمع حضرت آزاد کی پشت کی طرف ہے۔ حضرت شاہ

عبدالقادر رائے پوریؒ نے اخبار مانگا۔ میں نے اخبار دے دیا اور حضرتؒ بڑی توجہ سے مطالعہ فرمانے لگے۔ اسی اثنا میں آنکھ کھل گئی۔ اس دن میری خوشی کی انتہا نہ تھی۔ میں نے حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب بیان کیا۔ تو حضرتؒ نے فرمایا: ''یہ تو بہت مبارک خواب ہے۔'' اور بہت ساری دعائیں دیں۔ مجھ سے رہا نہ گیا، کیوں کہ خواب میں موجودہ حضرت اور ان کی پُشت پر بڑا مجمع تھا۔ میں نے حضرت اقدسؒ سے خواب حضرت آزاد صاحب سے بیان کرنے کی اجازت چاہی' تو فوراً حضرتؒ نے فرمایا: ''ہاں بھائی! ان کو بھی سناؤ۔'' میں موجودہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کر دیا۔ تو موجودہ حضرت نے بھی فرمایا: ''بڑا مبارک خواب ہے۔'' اور فرمایا کہ: ''دیکھا! ہمارے حضرت کی حالات پر کتنی گہری نظر ہے اور آج کل حالات سے ناواقفیت کو کمال سمجھا جاتا ہے۔'' اور جب بڑے حضرت (مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ) کی وفات پر حضرت آزاد کی جانشینی کا اعلان ہوا تو خواب کی تعبیر مل گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہمیں قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جانشینی پر مخالفین کو پریشانی: حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد مدظلہٗ کی جانشینی کا اعلان ہوا تو بہت سارے مذہبی رہنماؤں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ دراصل جہاں پر تربیت نہیں ہوتی، اپنے سلسلے کے ساتھ اور خصوصاً پیر و مرشد کے ساتھ عشق و محبت، ذہنی اور قلبی تعلق نہیں ہوتا، وہاں جانشینی پر جھگڑے ہوتے ہیں اور جہاں علم و عمل، تربیت اور شعور ہوتا ہے، وہاں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں افراد نہیں، بلکہ ادارے فیصلہ کرتے ہیں۔ آج مجموعی طور پر جماعتیں ادارہ جاتی فیصلے کرنے کی قوت اور طاقت سے محروم ہیں، بلکہ اس طرح کے اجتماعی اداروں کا فقدان ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ جماعتیں اور حکومتی ادارے تقسیم در تقسیم کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ملک میں اداروں کی مضبوطی کی باتیں کرنے والے اپنی جماعتوں میں ایسے ادارے بنانے کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں، جو بہت بڑا المیہ ہے۔

قافلہ ولی اللّٰہی رواں دواں: الحمدللہ! آج وہ قافلہ، جس کو حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے پاکستان میں بنایا تھا، پوری قوت اور جرأت و استقامت کے ساتھ حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی میں رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ مشائخ رائے پور کے فیوض و برکات ہمارے شامل حال رکھے اور ہمیں ان کی پیروی اور دل و جان سے ان کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ع

عزم و ہمت کے پیکر شاہ عبدالخالق ہیں — میرے قائد میرے رہبر شاہ عبدالخالق ہیں
فکرِ شاہ ولی اللہ کے امیں آپ ہیں — خانقاہِ رحیم کے جانشین آپ ہیں
وارثِ تحریکِ حق و یقین آپ ہیں — سلسلۂ حق کا تواتر حضرت شاہ عبدالخالق ہیں

بقیہ: عظمت کے مینار سید احمد شہیدؒ اپنی تحریک کے مقاصد بیان کرتے ہوئے خود اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ: ''ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور انھوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی ہے۔ ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہوگئی۔ کسی کو اُن سے مقابلے کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے۔'' راجہ گوالیار ہندو راؤ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''جناب کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، یہ سودا بیچنے والے، دنیا جہان کے تاجدار اور سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔ جو حکومت اور سیاست کے مردِ میدان تھے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ اس لیے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کھڑے ہوگئے ہیں۔''

افغانی قبائل کی آپس کی دشمنیوں کی وَجہ سے بھی اس تحریک کو نقصان پہنچا، لیکن صبر آزما کاوشوں کے بعد اس تحریک نے پشاور میں آزاد حکومت قائم کی۔ اس ولی اللّٰہی تحریک کے تربیت یافتہ حکومت کے مناصب پر مقرر کیے گئے۔ نواح میں حزبِ ولی اللہ نے ایسی نمونے کی حکومت قائم کر دی کہ جس کی مثال دیکھنے کو نہیں ملتی۔ 1830ء میں یہ حکومت بالاکوٹ تک پھیل چکی تھی۔ مظفر آباد اس دور میں سکھوں کا فوجی ہیڈ کوارٹر تھا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ایک لشکر کے ذریعے اس شہر کو بھی حکومت کے زیرِ نگیں کر لیا۔ ولی اللّٰہی تحریک کا عسکری وِنگ انتہائی کامیابی سے آگے بڑھ رہا تھا تو دوسری جانب فکری وِنگ کے امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے بھی مستقل رابطوں کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ رابطے اس قدر مضبوط تھے کہ تحریک کے امورِ داخلہ مثلاً اموال کی فراہمی اور افرادِ کار کی تربیت اسی بورڈ کے سپرد تھی۔

سکھوں کی ظالمانہ طاقت کو توڑنا اس خطے کی آزادی کے لیے انتہائی ناگزیر تھا۔ اس مقصد کے لیے ولی اللّٰہی تحریک نے ہر دور میں کام کیا۔ تحریکِ بالاکوٹ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے، جس نے محدود مدت میں شان دار حکومت قائم کر کے ایک مثال قائم کر دی۔ سکھوں نے چند غداروں کی مدد سے تحریک کی مرکزی قیادت کے قیام کی جگہ معلوم کی اور 24ر ذوقعدہ 1246ھ/ 6ر مئی 1831ء کو بالاکوٹ میں موجود جماعت پر حملہ کر دیا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور دیگر اکابرین نے جامِ شہادت نوش کیا۔ شہادت کے وقت سید احمد شہیدؒ کی عمر محض 46 سال تھی۔ تحریکِ بالاکوٹ کی یہ لڑائی بظاہر سکھوں کے خلاف تھی، لیکن درحقیقت سکھوں کی اس قوت کے پیچھے انگریزوں کی قوت کارفرما تھی۔ وہ انگریزوں کے حلیف اور مددگار تھے۔ انھوں نے ان کو اپنی حکومت کی حفاظت کے لیے افغانستان کے راستے میں دیوار بنایا تھا۔ گورنر جنرل کے سیکرٹری نے پولیٹیکل ایجنٹ لدھیانہ کیپٹن سی ایم ویڈ کو اس بات کی ہدایت کی کہ: ''امیر شہید کی شہادت کی خبر ہوتے ہی گورنر جنرل کی طرف سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو فتح کی مبارک باد پیش کریں۔''

سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا مقصد ذاتی نفع جوئی ہرگز نہیں تھا۔ آپؒ انگریزوں کو ''بیگانگانِ بعید الوطن'' اور سامراج سمجھتے تھے۔ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ان سے لڑنے کا عزم رکھتے تھے۔ اس تحریک میں فرقہ واریت اور مذہبی تنگ دلی کا نام تک نہ تھا۔ خالصتاً قومی بنیادوں پر قائم اس تحریک میں آپ کو غیر مسلم ابنائے وطن کا تعاون بھی حاصل رہا۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

بیادِ شیخ

شہزاد بدر، کراچی

نذرانۂ عقیدت

بحضور حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ

عزم و صدق کا پیکر حضرتِ سعید ہیں
میرے قائد میرے رہبر حضرتِ سعید ہیں

فکرِ شاہ ولی اللہ کے امیں آپ ہیں
خانقاہِ رحیمیہ کے جان نشیں آپ ہیں
وارثِ تحریکِ حق و یقیں آپ ہیں

سلسلۂ حق کا تواتر حضرتِ سعید ہیں
میرے قائد میرے رہبر حضرتِ سعید ہیں

ظلمتِ شب میں اذانِ سحر دی آپ نے
بھٹکے ہوؤں کو نئی ڈگر دی آپ نے
تنظیمِ فکر کو روحِ عصر دی آپ نے

سچ پوچھو تو امامِ عصر حضرتِ سعید ہیں
میرے قائد میرے رہبر حضرتِ سعید ہیں

آپ ہی پیرِ حق ، آپ ہی ہیں شیخِ کامل
آپ دیں کے عالم ، آپ ہیں دیں پہ عامل
سیاست نبوی آپ کی حکمتوں میں شامل

صاحبِ بصر ، صاحبِ نظر حضرتِ سعید ہیں
میرے قائد میرے رہبر حضرتِ سعید ہیں

خاک پائے حضرت اقدس رائے پوریؒ۔شہزاد بدر

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مولانا مفتی عبدالقدیر شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال آج کل کچھ کمپنیاں اور افراد کرائے پر رکشہ، ٹیکسی، کوئی اوزار یا مشین فراہم کرتے ہیں۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ فائدے میں تو مشین، رکشہ اور ٹیکسی کا مالک شریک ہوتا ہے، لیکن نقصان کی صورت میں ڈرائیور اور مزدور ہی ذمہ دار ٹھہرتا ہے۔ کیا اس طرح کا معاملہ کر کے روزانہ کے حساب سے کمپنی یا مالک کو مخصوص رقم دینا یا لینا جائز ہے؟

سائل: محمد نقاش عباسی، مری

جواب رکشہ، ٹیکسی، اوزار یا مشین مناسب کرایہ پر دی جا سکتی ہے، جب کہ اس میں درجِ ذیل شرائط اور امور پیشِ نظر رہیں:

1۔ یہ معاملات تعاون باہمی اور انصاف پر مبنی باہمی اشتراک کی اساس پر ہونے چاہئیں۔

2۔ اسلام کے سنہری اصول: "لا ضَـرَرَ وَ لاَ ضِـرارَ فی الإسلام." (نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان دو) کے اصول پر مبنی ہونے چاہئیں۔

3۔ چوں کہ کرائے دار کے قبضے میں کرائے کی چیزیں امانت ہوتی ہیں، اس لیے ناگہانی حادثے یا چوری کی صورت میں چیز کو کرائے پر لینے والا نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

4۔ چیز کو استعمال کرنے کے نتیجے میں چھوٹی خرابیوں کی تلافی مستاجر (کرائے پر لینے والے) کے ذمے ہے۔ بڑی خرابیاں' مثلاً انجن کا فالٹ جس میں مستاجر کی تعدی (زیادتی) نہ ہو، اس کا ازالہ مالک کے ذمے ہے۔

5۔ معاہدہ کرتے وقت تمام معاملات اور ان کی شرائط تحریر میں لکھی جائیں اور دستاویز پر کم از کم دو گواہوں کے دستخط ہونے چاہئیں۔

سوال حج اکبر کا کیا مفہوم ہے؟ نیز حج اکبر اور حج اصغر میں کیا فرق ہے؟

سائلہ: صبا حمید

جواب حج اکبر سے مراد وہ حج ہے، جو ایک عاقل بالغ مسلمان پر جب استطاعت رکھے زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے۔ یہ اسلام کا ایک رکن ہے۔ اس کے مقابلے میں عمرہ حج اصغر ہے جو فرض نہیں ہے۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف اثر (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصوی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔